اسلام اور طرز معاشرت

(از پروفیسر لبیب السعید مصری)

(اسلام ایک ایسا مکمل دین ہے کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے اُس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ وہ نہ صرف آخرت میں فائز المرام ہوتی ہے بلکہ اس دنیا میں بھی اُسے طمانیت و آسودگی کی دولت سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ اس دین سے اگر ایک طرف فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامت، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی اور روح میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے، تو دوسری طرف معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں نفیست، معیشت میں عدل و مواسات اور طرز بود و ماند میں طہارت اور نظافت ایسی صفات پرورش پاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل مضمون میں پروفیسر لبیب السعید مصری نے بڑی عمدگی سے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام نے طرز معاشرت میں اپنے پیروؤں کو کیا تعلیمات دی ہیں۔ ادارہ)۔

اسلام بنیادی ضروریاتِ زندگی کا ضامن ہے غذا، لباس اور مکان انسان کی وہ بنیادی ضروریاتِ زندگی ہیں جن پر انسانی زندگی کے قیام و بقا کا دارومدار ہے۔ جس طرح کسی انسانی معاشرے کے سعید اور با عیش تر ہونے کا معیار یہ ہے کہ اس میں کوئی فرد ان بنیادی ضروریات سے محروم نہ ہو اسی طرح معاشرے کے فاسد اور شقی ہونے کا پیمانہ بھی یہ ہے کہ اس کے کچھ افراد اور اس کی عمارت کے کچھ اجزاء حوائج حیات سے تہی دست ہوں اور کوئی ان کا ضامن یا پُرسان حال نہ ہو۔ اسلام معاشرتی انصاف کے جن اصولوں کا علمبردار ہے اُن میں سب سے سرِ فہرست یہ اصول ہے کہ وہ انسان کو بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس فراہمی کے لیے وہ دو ذرائع اختیار کرتا ہے ایک طرف تو وہ اپنی برتر اخلاقی تعلیم اور اجتماعی مزاج کی مدد سے عام شہریوں کے اندر یہ ذوق پیدا کر چڑھاتا ہے کہ ان میں

جو لوگ صاحبِ ثروت اور کشادہ دست ہوں وہ اپنے غریب اور نادار بھائیوں، حاجتمند رشتہ داروں اور بستی کے بے سہارا افراد کو ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہنے دیں (وفی اموالھم حق للسائل والمحروم)۔ ان کے ذہن میں یہ حقیقت مختلف طریقوں سے جاگزیں کرتا ہے کہ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ (جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت برآری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت برآری کرتا ہے)، اور دوسری طرف اسلام حکومت کے فرائض میں یہ بنیادی ذمہ داری شامل کرتا ہے کہ وہ ملک کے اغنیاء اور مالدار لوگوں سے زکوٰۃ و عشر وغیرہ وصول کر کے ملک کے صاحبِ حاجت اور مساکین و فقراء کی کفالت کا انتظام کرے۔ خذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم (ریاست کے مالداروں سے لو اور فقراء اور ناداروں کو دو) اسلامی حکومت کا وہ شعار ہے جس کی پابندی ازروئے دستور اس پر عائد ہوتی ہے۔ حاجتمند افراد کی کفالت کا دائرہ صرف روٹی اور تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا مہیا کر دینے تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے رہائشی مکانات کی فراہمی بھی اسی دائرے میں داخل ہے۔ ان مکانات کی نوعیت علامہ ابنِ حزم ظاہری کے الفاظ میں یہ ہے:

تکنھم من المطر والصیف والشمس وعیون المارۃ[1]	یہ مکانات ایسے ہونے چاہئیں جو رہنے والوں کو بارش، گرمی اور دھوپ سے اور گزرنے والوں کی نگاہوں سے چھپائے رکھیں۔

رہائشی مکانات کی فراہمی حکومت کے بنیادی فرائض میں سے ہے

علاوہ ازیں عام شہریوں کو رہائشی مکانات کی قلت سے بچانا اور انہیں اس بارے میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانا ایک ایسا تمدنی و معاشرتی فریضہ ہے جسے اسلامی حکومت محض ہنگامی حالات کے دباؤ سے سرانجام نہیں دیتی بلکہ اس کا عام ملکی قانون مستقل طور پر اسے اپنا ہدف قرار دیتا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ نے صدرِ حکومت کے دو فرائض بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک سیاسۃ الناس (ملک کا سیاسی انتظام) ہے اور دوسرا عمارۃ الارض

[1] المحلّی ج ۶ ص ۱۵۶

کی تشریح میں امام موصوف لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ملک میں تعمیر و تمدن کے واجبات پورا کرنا، زراعت کی توسیع، شاداب درختوں اور چمن زاروں کی آبیاری، شہروں کا قیام، آبادیوں اور مکانوں کی تشکیل و توفیر اور معاشی اصلاح و خوشحالی ہے۔[1] اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے فقہاء نے یہ فتویٰ دے رکھا ہے کہ کسی مالک مکان کو اپنا مکان منہدم کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر اس کے انہدام سے اہل محلہ کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو اِلّا یہ کہ وہ اُسے از سر نو بنانا چاہتا ہو۔[2]

شریعت اسلامی میں طہارت و حفظانِ صحت کی اہمیت

عوام الناس کی سکونتی ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ شریعت اسلامی تعمیر مکانات اور آبادیوں کی خاکہ کشی میں حفظانِ صحت کے اصولوں کو مدنظر رکھتی ہے۔ یہ اصول طہارت و نظافت اور حفاظتِ جان و مال کے ان احکام و تعلیمات سے ماخوذ ہیں جن کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ہدایت فرمائی ہے۔ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا تھا کہ وثیابک فطھر (اور آپ اپنے کپڑوں کو پاک کریں) ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان اللہ یحب المتطھرین (اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ پیغمبر خدا کا ارشاد ہے الطھور شطر الایمان (پاکیزگی آدھا ایمان ہے)۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ہمعات" میں معتدل اور متوازن معاشرے کی خصلتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک خصلت "طہارت" بھی بیان فرمائی ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> "مسلم معاشرے کی ایک خصلت طہارت ہے، اس کی حقیقت اور اس کی طرف میلان سلیم الفطرت انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے یہاں یہ گمان نہ کر لینا کہ طہارت سے مراد وضو اور غسل ہے، بلکہ طہارت کا اصل مقصد وضو اور غسل کی روح اور اس کا نور ہے۔ جب آدمی نجاستوں میں آلودہ ہو، میل کچیل میں ملوث ہو۔ بول و براز نے اس کے معدہ میں گرانی پیدا کر رکھی ہو تو لازماً وہ انقباض اور حزن اپنے اندر پائے گا اور جب ماحول کو ستھرا رکھے گا، غسل کریگا اور نیا لباس زیب تن کرے گا تو اسے اپنے نفس میں انشراح اور سرور محسوس ہوگا۔ حاصل کلام یہ

[1] الذریعہ الی مکارم الشریعۃ باب ۱۰ ص ۱۹ [2] فتاویٰ القریۃ ج ۱ ص ۲۹۶

رہنے ایک وجدانی کیفیت ہے جو نور سے تعبیر کی جاسکتی ہے (اور اس وجدانی کیفیت میں جو باتیں خلل انداز ہوں ان سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔"

تعمیر مکان میں حفظانِ صحت کے اصولوں کا لحاظ | یہ طہارت اور پاکیزگی صرف جسم اور لباس تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ قریبی ماحول، مکان اور محل سکونت بھی اسی کے حکم میں داخل ہیں چنانچہ مکانوں اور بستیوں کی پلاننگ اور وضع و ساخت میں جن امور کا لحاظ ضروری ہے، ان کے متعلق علامہ ابن خلدون کی تصریح یہ ہے کہ:

"شہروں اور آبادیوں کی تعمیر و ساخت کے بارے میں سب سے پہلے جس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ تازہ اور پاک ہوا ہے، تاکہ لوگ بیماریوں اور آفاتِ سماوی سے محفوظ رہیں۔ اگر تازہ ہوا کا دخول اور گندی ہوا کا اخراج نہ ہوتا ہو اور مکان کے اندر تعفن پیدا ہو جائے یا آبادی گندے جوہڑوں، بدبودار چشموں، سڑے ہوئے کھیتوں کے پاس ہو اور غلیظ ہوا مکانوں میں داخل ہوتی ہو تو یقیناً ان مکانوں میں رہنے والے لوگ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں گے .... جن شہروں اور قصبوں میں تازہ ہوا کے حصول کا اہتمام نہیں کیا جاتا وہ اکثر امراض و آلام کی زد میں رہتے ہیں۔"[1]

آگے چل کر علامہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ اگر کسی بستی کو رفاہِ عامہ کے ضمن میں پانی کا قرب اور مویشیوں کے لیے عمدہ چراگاہیں حاصل ہیں تو وہ بستی لازماً تکالیف اور مشقتوں سے نکل کر آرام اور نفع اندوزی سے بہرہ مند ہوگی۔[2]

اسلامی تاریخ میں حفظانِ صحت اور رفاہِ عامہ کا اہتمام | تاریخ کے تتبع سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سوسائٹی نے سکونتی مقامات اور آبادیوں کی تعمیر میں اپنی اسلامی روح کے تقاضے کے مطابق طہارت و نظافت اور حفظانِ صحت کی تدابیر پر بالالتزام عملدرآمد کیا ہے۔ بلکہ اس نے طبعی حالات کی مساعدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سلسلے میں حیرت انگیز مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ حفظانِ صحت کی تدابیر

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۹ [2] ایضاً ۳۹۰

میں صاف اور نظیف پانی کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے، مسلم سوسائٹی نے اس کی اہمیت کو جس پیمانے سے ناپا ہے اُس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اموی دور میں دمشق میں ہر گھر کے اندر نہر بُردی کا پانی پہنچتا تھا۔ مرحوم امیر علی نے مسلمانوں کے اس اہتمام وانصرام پر انگشت بدنداں ہو کر لکھا ہے:

"نہر بُردیؔ[1] اگرچہ شہر کو فراوانی سے پانی سپلائی کرتی تھی، مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنے عدیم المثال مہارت کا مظاہرہ کیا۔ ہر گھر کے اندر پانی کے لیے ٹینک بنا دیئے جن سے نہایت صاف وشفاف پانی نکلتا تھا۔ سات بڑی جدولیں تھیں جو شہر کے مختلف گوشوں میں بہتی تھیں اور مختلف نالے ان میں سے نکل کر گھروں کے اندر بنے ہوئے ٹینکوں میں پانی پہنچاتے تھے"[2]

ایرانی سیاح ناصر خسرو (۱۰۰۳ — ۱۰۶۰) نے اپنے سفرنامہ میں مسجد اقصیٰ کی زیارت پر لکھا ہے کہ

"مسجد میں رانگ کے بنے ہوئے نل ہیں جن میں سے پانی نکل کر نیچے پتھر کے حوضوں میں گرتا ہے۔ ان حوضوں میں سوراخ بنے ہوئے ہیں جن سے پانی نکل کر نالیوں کے ذریعے سے مختلف ٹینکیوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ پانی کسی مقام پر گدلا اور متعفن نہیں ہوتا۔"

دیگر مسلمان ملکوں میں بھی اس قسم کے رفاہ عامہ کے کاموں پر غیر معمولی توجہ دی گئی ہے۔ اس سے عام شہریوں کو سہولت میسر ہونے کے ساتھ حفظانِ صحت کا مقصد بھی حل ہو جاتا تھا۔ اسی سیاح ناصر خسرو نے فارس کی مسجد میا فارقین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسجد کی وضو گاہ کی جانب چالیس بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں جن کے آگے سے دو بڑی بڑی پانی کی نالیاں بہتی ہیں۔ ایک اوپر کی جانب کھلی ہوئی ہے تاکہ اس کا پانی طہارت کے لیے استعمال کیا جا سکے اور دوسری زمین دوز ہے اور غلاظت کو بہانے کے لیے ہے۔"

[1] شام کی مشہور نہر ہے، زبدانی سے نکلتی ہے اور دار الحکومت دمشق اور نواحی مقام غوطۂ دمشق کو سیراب کرتی ہوئی جھیل عتیبہ میں جا گرتی ہے۔

[2] مختصر تاریخ عرب۔ و تمدن اسلامی۔

مسجد آمد کی توصیف میں رقمطراز ہے:

"اس کی وضو گاہ نہایت حسین و جمیل اور صنعت کاری کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی خوبصورت چیز دیکھنے میں نہیں آئی۔"

طرابلس الشام[1] کے ایک بازار کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

"بازار کے اندر پانی کا ایک بہت بڑی سبیل بنی ہوئی ہے جس میں پانچ ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان سے اس قدر کثرت سے پانی نکلتا ہے کہ تمام لوگ بخوبی اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔"

عصام الدین ابن دقماق نے مصر کے خاندان طولون کے ایک وزیر کے متعلق لکھا ہے کہ ۳۰۳ھ یا ۳۰۴ھ میں اس کے پاس صرف محکمہ بہم رسانی آب کی وزارت کا قلمدان تھا۔[2]

فسطاط[3] کی کھدائیوں سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مصر کا یہ شہر پہلا شہر تھا جو بڑی افراط کے ساتھ صحت افزا ساز و سامان سے بہرہ مند تھا۔ ان کھدائیوں کے نگران مشہور ماہرین آثار قدیمہ مرحوم علی بک بہجت اور موسیو البیر جبریل نے اپنے اکتشافی آرٹیکل میں لکھا ہے:

"فسطاط میں صحت افزا اشیاء اس قدر عمومیت اور کثرت سے برآمد ہوئی ہیں کہ ان سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس شہر میں مسلمانوں نے پہلے صحت پر غیر معمولی توجہ دی تھی۔ ہمیں کھدائیوں میں ایسا کوئی گھر نہیں ملا ہے جس میں غسل خانوں اور بیت الخلا کی مستقل نالی نہ ہو۔ یہ نالی گھر کا تمام پانی جمع کر کے باہر حوضوں تک پہنچاتی ہے۔"[4]

---

[1] طرابلس الشام لبنان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ بندرگاہ ہے۔ عراق کی پٹرول پائپ لائن اسی شہر میں آکر ختم ہوتی ہے۔

[2] الانتصار بواسطہ عقد الامصار ج ۴ ص ۶۔

[3] یہ مصر میں مسلمانوں کے سب سے پہلے آباد کردہ شہر کا نام ہے۔ اسے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا۔ یہ قاہرہ اور قدیم مصر کے درمیان واقع ہے۔ آجکل اس کا نام مصر عتیقہ ہے۔

[4] حفریات الفسطاط ص ۱۰۶۔

ان ماہرین نے اپنے آرٹیکل میں پوری تفصیل کے ساتھ اس شہر کے لیٹرین سسٹم اور غسل خانوں کی نوعیت کو بیان کیا ہے۔ شہر میں بہم رسانی آب کے نظم و نسق پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے محفوظ کنوؤں، حوضوں (FOUNTAIN) یا ٹپ لائنوں، فواروں اور ہاتھ دھونے کے حوضوں کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی ادوار میں بھی فنِ تعمیر اور انجینئرنگ کافی عروج پر تھا۔ اس ترقی کا راز دراصل مسلمانوں کا ذوقِ نفاست و طہارت تھا جو اسلام کے پاکیزہ نظام نے ان کی فطرت میں ودیعت کر رکھا تھا۔

مذکورہ بالا ماہرین آثار نے اپنے مضمون میں بیروت کی فرانسیسی یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ایک مخطوطے سے فسطاط کے محکمۂ احتساب کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے، یہ فرمان محکمہ کی جانب سے شہری عوام کے نام ہے۔ فرمان کا ملخص یہ ہے:

"از روئے قانون کسی کو جائز نہیں ہے کہ وہ راستوں اور گذرگاہوں پر ایسی چیزیں بنائے جو راہگیروں کے لیے موجبِ اذیت ہوں۔ یا انہیں نقصان پہنچنے کا احتمال ہو جیسے گرمیوں کے زمانے میں سڑکوں کی جانب گندی نالیوں کا رُخ کر دینا۔ اسی طرح جو لوگ شہر کے باہر کوڑا کرکٹ اور کھاد کے ڈھیر لگانا چاہیں انہیں لازم ہے کہ وہ باہر گڑھے کھودلیں اور ان میں کوڑا کرکٹ ڈال کر اوپر سے پُر کر دیں تاکہ اُس کی بدبو سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور بیماری کے جراثیم انڈے بچے نہ دینے لگیں نیز ایسے گڑھے پانی کے گھاٹوں کے آس پاس نہ کھودے جائیں اور نہ ہی کوڑا کرکٹ اور کھاد پانی کے تالابوں میں ڈالنے کی کوشش کی جائے[1]"

یہ ہم نے مشتے نمونہ از خروارے پیش کیا ہے، ورنہ تاریخ و آثار اور فقہاء کی کتابوں سے لاتعداد ایسی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں جس سے اسلامی سوسائٹی کے اندر حفظانِ صحت کے اصول و قواعد کی مقبولیت اور پابندی کے ناقابلِ انکار ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔

تعمیر مکان میں ہمسائے کے حقوق کی پابندی | مکان کی تعمیر اور نقشہ بندی کے سلسلے میں شریعت نے

[1] حفریات الفسطاط ص ۱۰۶، ۱۱۱

مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے، بلکہ چند اخلاقی حدود کا پابند کیا ہے پیچھے ہم علامہ ابن حزم کے یہ الفاظ نقل کر کے آئے ہیں کہ مکان ایسا کھلا اور بے پردہ نہیں ہونا چاہیے کہ گزرنے والوں کی نگاہیں اس کے اندر بلا روک ٹوک پڑتی رہیں۔ اسی طرح شریعت نے یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ مکان سے ہمسائے کو ضرر نہیں پہنچنا چاہیے۔ مکان کی اونچائی میں ہمسائے کی رضامندی کا دخل ضروری ہے ایک بار صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی پر کیا حقوق ہیں۔ آپ نے ہمسائے کے حقوق گنوائے اور فرمایا: "ہمسایہ کا یہ بھی حق ہے کہ تم اپنی عمارت کو ہمسائے کی خوشنودی اور منشاء کے بغیر اس کے مکان سے اونچا نہ لے جاؤ۔" شارع علیہ السلام کے اس ارشاد کا منشایہ ہے کہ مکانات کی تعمیر اور نقشہ سازی میں اس امر کو بنیادی طور پر ملحوظ رکھا جائے کہ اس سے اردگرد کے مکانات کی پردہ دری ہونے کی نوبت نہ آنے پائے۔ یہ اہتمام مکان کے دروازوں اور دریچوں کے رُخ متعین کرنے میں بھی کرنا ضروری ہے۔

انسانی صحت اور راحت کے بارے میں فقہ کا نظریہ | موجودہ زمانے میں محکمۂ صحت و صفائی کی اصطلاح میں جن مکانوں کو "مضرِ صحت" اور "مخلِ راحت" قرار دیا جاتا ہے، ان کے بارے میں اسلامی حکومت وہی سلوک اختیار کرتی ہے جو موجودہ بلدیاتی اداروں کے قواعد و ضوابط کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ موجودہ قواعد و ضوابط صرف تخریب سے تعلق رکھتے ہیں، مگر اسلامی قواعد و ضوابط تخریب اور تعمیر دونوں پہلوؤں پر متوازی عملدرآمد کرتے ہیں یعنی شریعت اسلامی کی نگاہ میں شہری نظم و نسق کا کوئی ادارہ اگر کسی عمارت کو "مضرِ صحت" اور "آرام میں خلل انداز" ہونے والی قرار دیتا ہے تو اس کا فیصلہ صرف اس حد تک نہیں ہوتا کہ وہ اسے گرا دے یا اس میں کسی ترمیم و تبدیلی کے احکام جاری کر دے۔ بلکہ وہ ادارہ ایسے مکانات کے مالکان کو متبادل جگہ دینے کا ذمہ دار ہو گا اور انہیں نئے مکان میں آباد ہونے کے لیے مناسب امداد دینے کا کفیل ہو گا۔ اب ہم آپ کے سامنے فتاویٰ انقرویہ (مؤلف محمد بن حسین انقروی شیخ الاسلام ترکی) میں سے ایسے مکانوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا رجحان معلوم کرنے کے لیے چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔ ان مثالوں میں اگرچہ فقہاء کے

مابین اختلاف پایا جاتا ہے تاہم مجموعی طور پر اس سے فقہ اسلامی کا عمرانی نقطۂ نظر معلوم کیا جاسکتا ہے
حماموں اور پارکوں میں (جنہیں قدیم اصطلاح میں [illegible] کہا جاتا تھا اور اس وقت ان کی حیثیت
مراکزِ صحت و تفریح کی ہوتی تھی) تنور لگانا، بیکری کھولنا، آٹا پیسنے کی چکی نصب کرنا، لوہا یا اور کوئی
دھات کوٹنے کے اڈے قائم کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص ریشم کے کیڑے پالتا ہے اور ان سے
ریشم حاصل کرنے کے لیے گھر میں نصب کرتا ہے لیکن ارد گرد کے ہمسائے دھوئیں سے اور
کیڑوں کی بُو سے تنگ ہیں تو اسے اپنے گھر میں اس کام سے روک دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے
اپنے گھر میں حمام جاری کر رکھا ہے اور اس کا دھواں ہمسایوں کے لیے وجہِ مصیبت بن گیا ہے تو
ہمسایوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے گھر میں حمّام گری سے منع کردیں۔ لوہار اور سنار اگر عشاء کے بعد
طلوعِ فجر کے درمیانی عرصہ تک کوٹنے کا کام کرتے ہیں اور اس سے اہلِ محلہ کی نیند خراب ہوتی ہے
تو انہیں قانوناً روکا جاسکتا ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنے گھر میں باڑی لگا رکھی ہے، اور زمین شوریلی
ہونے کی وجہ سے پانی کا اثر پڑوسیوں کے مکان کو گزند پہنچا رہا ہے (اور امکان ہے کہ اگر یہ
سلسلہ جاری رہا تو مکان کی بنیادیں ہل جائیں گی) تو اس شخص کو گھر باڑی سے منع کیا جائے گا۔ اسی
طرح کوئی شخص پڑوسیوں کی ایذا رسانی اور تکلیف کی صورت میں اپنی دوکان کو اصطبل اور حمّام
نہیں بنا سکتا۔ اور نہ ہی کسی شخص کو یہ اجازت ہوگی کہ وہ کپڑے اور روئی کے بازار میں تنور یا آتشیں
مادّے کی دوکان کھولے[1]

شروع شروع میں مسلمان بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور ان پر مُسرفانہ خرچ کرنے کو ناپسند خیال کرتے
تھے لیکن بعد میں ضروریات کے تحت انہیں زمانے کے حالات کا ساتھ دینا پڑا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ
نے بصرہ میں عتبہ بن مروان اور ان کے ساتھیوں کو ایک فرمان لکھا اور ان کو پختہ اینٹ سے عمارت

[1] کپڑے اور روئی کے بازار میں آتشیں مادّے کی دوکان کھولنے میں شریعت کی نگاہ میں جو قباحت پائی جاتی ہے
اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے کراچی کے لیہری بازار کی آتش زدگی کا واقعہ سامنے
رکھ لینا کافی ہے۔

تعمیر کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ہدایت کی: پہلے میں تم لوگوں کے لیے اس طرح کی عمارتیں ناپسند کرتا تھا لیکن اگر تم ایسی عمارتیں بنانے پر اتر آئے ہو، تو یہ خیال رکھو کہ ان کی دیواریں چوڑی اور اونچی ہوں اور چھت کی لکڑیاں قریب قریب فاصلے پر ہوں[1]۔

گذرگاہوں اور راستوں کی حفاظت بذریعہ قانون گذرگاہوں اور راستوں کی صفائی اور توسیع پر فقہ اسلامی خاص توجہ مبذول کرتی ہے۔ امام ابوالحسن ماوردی نے قاضی (مجسٹریٹ) کے اختیارات گنواتے ہوئے لکھا ہے کہ قاضی حکومت کے مصالح کا لحاظ رکھے، کسی شخص کو راستوں میں اور راستوں کے اردگرد کوئی عمارت وغیرہ نہ بنانے دے۔ بلا استحقاق نصب کیے ہوئے سائبان اور عمارات منہدم کرا دے۔ اس سلسلے میں قاضی بلا مطالبۂ مدعی بذاتِ خود اس کا انتظام کرے چونکہ یہ حقوق اللہ میں شامل ہے اس لیے اس میں مستغیث اور غیر مستغیث دونوں برابر ہیں۔ (لہٰذا قاضی خود ہی اس کا لحاظ رکھے)۔

راستے کی حفاظت کی خاطر علامہ ماوردی کی رائے یہ ہے کہ محکمۂ احتساب کے کارکنوں کے فرائض میں یہ بھی شامل کر دیا جائے کہ وہ لوگوں کو عام آمد و رفت کے راستوں پر عمارت بنانے کی ممانعت کر دیں۔ خواہ راستہ کشادہ ہی ہو۔ اور اگر کسی نے راستہ میں تکلیف دہ عمارت بنا ڈالی ہو تو چاہے وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو اُسے مسمار کرا دیں۔ کیونکہ راستے نقل و حرکت میں آسانی کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ تعمیرات کے لیے[2]۔

شریعتِ اسلامی نے عام راستوں سے جمہور کے حقِ انتفاع کو پورے زور کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ فقہ کی رو سے راستہ کی زمین کو نہ فروخت کیا جا سکتا ہے نہ اُسے مسدود کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو باہم تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ کسی کی شخصی ملکیت ہو اور اس کے بنانے سنوارنے پر کافی رقم خرچ کی گئی ہو[3]۔ دوکانوں کے چبوترے شارع عام کی جانب بڑھا دینا راہگیروں پر دست درازی اور تعدی

[1] البیان والتبیین للجاحظ ج ۲ ص ۱۸۶ [2] الاحکام السلطانیہ ص ۲۴۴

[3] خزینۃ المفتین لیوسف بن ابی سعید سجستانی (مسائل الطرق والابواب . . .)

کے مترادف ہے اس لیے محکمۂ احتساب کے ملازمین کا فرض ہے کہ ایسے چبوتروں کو فوراً مسمار کر دیں اور آئندہ کے لیے لوگوں کو اس قسم کی دست درازی سے سختی کے ساتھ منع کر دیں[1]۔ فتاوی القریہ میں ہے کہ کوئی شخص راستہ کے درمیان ایسا چھپّہ نہیں بنا سکتا جو راستہ کی سہولت میں خلل انداز ہوتا ہو۔ اور اگر عامۃ المسلمین میں سے کوئی شخص اٹھ کر چھپّہ بنانے والے کو روکتا ہے اور اس سے جھگڑا کرتا ہے تو یہ قانوناً جائز ہے بلکہ اسے یہاں تک حق حاصل ہے کہ چھپّہ بنائے جانے کے بعد اسے گرا دے۔ فتاویٰ القریہ کی یہ عبارت بھی قابلِ ذکر ہے کہ:

"تنگ راستوں میں جو شخص دوکان لگا کر بیٹھتا ہے اور آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے ایسے دوکاندار سے چیزیں خریدنا شرعاً ممنوع ہے۔ اس لیے کہ راستوں پر بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے پس اگر ایسے دوکاندار سے ٹھوکر کھا کر کوئی راہگیر گر جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے تو وہ اس کی ہلاکت کا ضامن ہوگا۔ ایسے آدمی سے اشیاء خریدنے کا مطلب یہ ہوگا کہ معصیت کے کام پر اس کی حوصلہ افزائی اور اعانت کی جا رہی ہے۔"

اسلامی حکومت کا محکمۂ احتساب منجملہ دوسرے فرائض کے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام کے بارے میں اس پر عائد ہوتے ہیں ایسے فرائض بھی انجام دینے کا ذمہ دار ہے جو آجکل میونسپلٹیاں اور بلدیاتی مجالس انجام دیتی ہیں۔ اس محکمہ کے کارکن پورے شہر میں گشت کرتے رہتے ہیں اور جہاں کہیں شہری قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی دیکھتے ہیں اس کا وہیں موقع پر انسداد کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر محتسب دیواروں اور مکانوں کی چھتوں کے اندر ایسے پرنالے لگے ہوئے پائے، جن سے گندے چھینٹے نکل کر راہگزروں کو ملوث کرتے رہتے ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ صاحب خانہ کو بذریعہ حکم مجبور کرے کہ وہ پرنالوں کو مسقف کرے اور یا انہیں دیوار کے اندر اس طرح سے کھود کر بنائے کہ ان کا پانی گلی میں غلاظت بارش نہ کرتا رہے۔

بازاروں اور گلیوں کی صفائی | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ | اماطۃ الاذی عن الطریق

[1] الشیرزی: کتاب نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ ص ۱۱

صدقۃ (راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی صدقہ ہے) ایک دوسری روایت میں آتا ہے اسلام کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں ان سب سے چھوٹی شاخ راستوں سے اذیٰ کو زائل کرنا ہے۔ چنانچہ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص پھل دار درخت کے نیچے یا آمد و رفت کے راستہ پر یا نہر کے کنارے پر قضائے حاجت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت برستی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد مسلمانوں کا حال یہ ہو گیا تھا کہ وہ بلا تکلف ایک دوسرے کو راستوں کے اندر کوڑا کرکٹ پھینکنے یا بول و براز کرنے سے منع کرنے لگے۔ بستان العارفین کے مصنف مشہور فقیہ امام ابو اللیث سمرقندی نے یہاں تک لکھا ہے کہ "کسی صاحب عقل کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جہاں سے لوگ گزرتے ہوں، وہ وہاں تھوکے یا ناک صاف کرے۔ اور لوگوں کے پاؤں کو گندہ کرنے کا موجب بنے۔"

ناصر خسرو ایرانی سیاح نے طرابلس الشام کی سڑکوں اور بازاروں کی نظافت و نفاست سے متاثر ہو کر لکھا ہے کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ طرابلس الشام کا ہر بازار اور ہر منڈی سجایا ہوا محل ہے۔ ناصر خسرو جب طرابلس الشام سے فارغ ہو کر صیدا (لبنان کا ایک اور شہر) میں داخل ہوا تو وہاں کے بازاروں کو صاف و شفاف دیکھ کر اُسے وہم ہوا کہ اس غیر معمولی زیب و زینت کا اہتمام یا تو بادشاہ کی آمد کی خاطر کیا گیا ہے یا کوئی خوشی کی تقریب ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کا یہ وہم دُور ہو گیا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ صفائی اس شہر کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے[1]

ٹریفک کے اصول ٹریفک کے قواعد یہ ہیں کہ پیادہ راستے کے ایک جانب (فٹ پاتھ پر) چلے اور سوار راستے کے وسط میں۔ یہ پابندی شہر کے لیے ہے۔ اور اگر میدان یا صحرا ہو تو وسطِ شارع پیادہ کے لیے ہے اور دونوں کنارے سوار کے لیے۔ مستحب یہ ہے کہ پاپوش پہنے ہوئے شخص برہنہ پا کے لیے نرم اور صاف راستہ چھوڑ دے[2]۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ عجائب الاسفار میں یہ اشارہ کیا ہے کہ دمشق کی گلیوں اور سڑکوں کے دو رویہ پٹڑیاں تھیں۔ پیدل چلنے والے پٹڑیوں پر چلتے تھے اور سوار

[1] سفر نامہ ناصر خسرو۔

[2] بستان العارفین للامام ابو اللیث سمرقندی ص ۱۲۱

دریان میں[1]

پبلک مقامات کی حیثیت شریعت اسلامی کی رو سے پبلک مقامات مثلاً پل، سڑکیں، پارکیں، دروازے اور باغات کسی خاص فرد کی ملکیت نہیں ہو سکتے اس لیے کسی شہری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے اور دوسروں کو ان سے متمتع ہونے سے روکے دوسرے یہ مقامات عوام منفعت کے لیے مشترک رہنے ضروری ہیں[2]

دریاؤں کے ساحل اور نہروں کے کنارے رہنے کے بارے میں متقدمین کا اجماع ہے کہ ان پر کسی قسم کی شخصی عمارت بنانا ممنوع ہے۔ اس سے شریعت کا منشا یہ ہے کہ یہ صحت افزا اور تفریحی مقامات امیر و غریب تمام شہریوں کے لیے مشترک رہیں۔ مورخ ابن ایاس (متوفی: ۱۵۲۴ء) نے تاریخ مصر "بدائع الزھور فی وقائع الدھور" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جلال الدین سیوطی نے فتویٰ صادر کیا تھا کہ دریائے نیل کے اندر جزیرۃ الروضہ کے ساحل پر کسی قسم کی عمارت تعمیر کرنا ناجائز ہے اور امام شافعی کے مسلک میں اس کا جو جواز منقول ہے وہ غلط ہے، کتب شافعیہ میں اس کی صحت کا مطلقاً کوئی ثبوت نہیں ملتا[3] مگر افسوس ہے کہ آج کل نیل کے تمام سواحل عیش پرست امرا اور اغنیا کی شخصی ملکیت بن کر رہ گئے ہیں۔ اور ان کی وہ عمومی نفع رسانی جس سے تمام اہل شہر بہرہ ور تھے ان لوگوں کی اجارہ داری نے ختم کر دی ہے۔

دیہاتی آبادی میں بستیوں کے اردگرد کی شاملاتِ اراضی، چوپال، پڑاؤ اور کھلیان لگانے کے مقامات (اجران) اسی حکم میں داخل ہیں جو شہری آبادی میں راستوں، باغوں اور پارکوں کا ہے۔ کیونکہ دیہاتی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے اور نفع رسانی میں ان کو وہی درجہ حاصل ہے جو شہر کے تفریحی مقامات کو حاصل ہے۔ اس لیے گاؤں کی مذکورہ زمینوں پر موات غیر آباد کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ آبادی (عامر) کے تحت شمار ہوتی ہیں کیونکہ یہ آبادی کے رفاہ عامہ (مرافق) میں داخل ہیں[4]

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۶۰ ج ۱ [2] مرشد الحیران قدری پاشا ص ۳

[3] بدائع الزہور ج ۱ ص ۱۰۱ [4] اللباب شرح مختصر قدوری ص ۲۰۲

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی طرز بود و باش

آخر میں ہم بحث کو سمیٹتے ہوئے مناسب سمجھتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کے جس دَور کا ذکر ہم نے پچھلے اوراق میں کیا ہے اور مسلم معاشرے کی عمرانی اور تمدنی حالات کے ایک پہلو کا جائزہ لیا ہے اس کے ساتھ یہ بھی معلوم کریں کہ عین اس دَور میں یورپ کی آبادیوں کا کیا حال تھا۔ ذیل میں ہم انگریز مؤرخ DRAPER کی کتاب معرکۂ مذہب و سائنس کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں اُس نے قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے شہروں کی حالت بیان کی ہے۔ ڈریپر لکھتا ہے:

"پورا برِ اعظم تقریباً گھنے جنگلات میں گھرا ہوا تھا۔ گندے پانی کے جوہڑوں اور جھیلوں نے شہروں اور بستیوں کو گھیر رکھا تھا جن سے بدبو کے بادل اٹھ اٹھ کر اُوپر کو چڑھتے تھے اور لوگوں کے لیے موت کا پیغام لے کر نازل ہوتے تھے۔ پیرس اور لندن میں لوگ لکڑی، گھاس کے سنے ہوئے گارے اور بانسوں سے مکان بناتے تھے۔ جن میں کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں ہوتا تھا۔

فرش فروش سے کوئی واقف نہ تھا۔ لوگ زمین پر پھوس بچھا کر گزارہ کرتے تھے۔ مکان کے اندر دھوئیں کی چمنی لگانا کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ دھواں مکان کی چھت میں سے ایک سوراخ کے اندر سے اوپر نکلتا تھا لیکن نکلنے سے پہلے مکان کے اندر پھیل کر رہنے والوں کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا تھا۔ عوام صفائی اور نظافت کے نام سے بھی آشنا نہ تھے جانوروں کی اوجھ، کدوئے اور سبزیوں کے چھلکے گھروں کے سامنے پھینک دیتے تھے اور وہ ایک ڈھیر کی شکل میں بدبو اور تعفن کا سٹور بنے رہتے تھے۔ مرد، عورتیں اور بچے ایک ہی کوٹھری میں سوتے تھے۔ اور اکثر اوقات اسی کوٹھری میں گھر کے ڈھور ڈنگر بھی بندھے ہوتے تھے اس خانگی شور و غل اور پراگندگی میں شرم و حیا اور فضیلت کا پنپنا محال تھا۔"[1]

مؤلف حیات اجتماعی کی تصویر کشی کرتے ہوئے یہ بھی بتاتا ہے کہ آبادیوں میں پانی کے نالوں اور کھائیوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ لوگ گندگی کی بالٹیاں اور پانی کے برتن گھر کے اندر کھڑے ہوئے باہر انڈیل دیتے تھے اور اکثر راہگیران کی لپیٹ میں آتے رہتے تھے۔ سڑکیں اور راستے بالعموم کیچڑ سے اٹے ہوئے اور تنگ و تاریک ہوتے تھے۔[2]

[1] LES COMFLITS DE SEIENCE ET DE IA

—